افتاء کے فضائل قرآن وحدیث کی روشنی میں

Virtues of "Ifta" in the light of the Qur'an and Hadith

☆ ڈاکٹر محمد ریاض خان الازہری

☆☆ ڈاکٹر سلیم الرحمان

ABSTRACT

To derive and discover the hidden solution to problems regarding every walk of life, according to the teachings of Islam is called Ijtihad and to convey this solution (answer) to the people concerned is called Ifta. Answers to some queries have been directly given by ALLAH ALMIGHTY Himself.

Then Allah gave the responsibility to his beloved Prophet Muhammad (SAW) to explain & enlighten the people according to the will of ALMIGHTY ALLAH as Quran.

And then the same responsibility transfers to the eminent religious scholars (Muftis) who are the true inheritors of the Holy Prophet (SAW) Mufti acts as the deputy of the Holy Prophet (SAW) and holds a very high, important & sensitive position of guiding the people towards Islamic teachings. That is why it needs high care, piety & skill. In the given article the reality, importance and virtues of this highly important position have been enlightened.

فتویٰ انسانی زندگی کے تمام تصرفات کا احاطہ کرتا ہے، اس کا تعلق، بندوں کے عقائد ونظریات اور ان سے صادر ہونے والے تمام اقوال وافعال سے ہے۔انسان کا معاملہ اپنے رب سے ہو یا اپنی ذات سے یا کسی دوسرے فرد سے، اسی طرح جس مملکت میں یہ زندگی گذار رہا ہے اس کے ساتھ اور ایک ملک کے حالت جنگ اور حالت امن دونوں صورتوں میں بین الاقوامی تعلقات اور معاملات کا احاطہ کرتا ہے۔فتویٰ کا دائرہ کار عقائد ونظریات، عبادات ومعاملات، مال واسباب، واقتصادیات، خاندان وقبیلہ، سیاست وحکومت، عدلیہ

☆ اسسٹنٹ پروفیسر اسلامک اینڈ ریلیجیس سٹڈیز ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ خیبر پختونخوا۔

☆☆ لیکچرار شعبہ تھیالوجی اسلامیہ کالج پشاور خیبر پختونخوا۔

وانتظامیہ تک ہے۔ بعض مرتبہ کوالیفائیڈ مفتی پر فتویٰ دیناواجب ہوجاتا ہے۔ مثلاً اس کے علاوہ کوئی اوراہل شخص موجود نہ ہو۔ مفتی اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔ لیکن شرعاً کسی حکم کووہ کسی کے اوپر نافذ نہیں کرسکتا، اورنہ گواہوں سے گواہی لے سکتا ہے۔ اسی طرح مفتی شهادة على الشهادة یااستفاضه پر بھی فیصلہ نہیں کرسکتا۔ عوام پر اس کا اعلان لازم نہیں ہوجاتا البتہ اگر فریقین نے رضامندی سے اس کو اپنے تنازعہ کے لئے حکم مقرر کیا ہے تواس مرحلہ پر اس تنازعہ میں گواہوں سے گواہی لے سکتا ہے۔ اوران پر حکم بھی لاگو کرسکتا ہے۔ البتہ صرف فریقین پر اس کا حکم ماننالازم ہوگا۔ بشرطیکہ وہ فیصلہ اورمحکم نصوص کے خلاف نہ ہو۔ اس لئے فتویٰ دینے کا معنی یہ ہے کہ مفتی کسی سائل کو شریعت کا حکم بتادے لیکن وہ حکم لاگو نہیں کرسکتا، سائل کی مرضی ہے مانے یانہ مانے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قاضی کو شرعاً جبر کا جو اختیار حاصل ہے وہ کسی بھی عالم یا مفتی کو نہ توانفرادی طور پر حاصل ہے اورنہ اجتماعی طور پر، البتہ یہ حکم صرف وہاں کے لئے ہے جہاں شرعی قاضی موجود نہ ہو۔ لفظ فتویٰ کے مختلف لغوی معانی لغت کی کتابوں میں مذکور ہیں ان میں چند اہم کی تعریفات پیش کئے جاتے ہیں:

فتویٰ کا لغوی مفہوم:

فتویٰ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کی جمع فتاویٰ ہے[۱] اس لفظ کا استعمال کثیر معانی کے لئے ہوتا ہے یعنی جوان ہونا جوان غلام کو بھی فتیٰ کہا جاتا ہے[۲] فتویٰ کے معنی جوانمردی اوراپنی قوت کو کام میں لانا ہے، اس معنی میں شرعاً مفتی اس شخص کو کہا جائیگا جو اپنی خداداد صلاحیت کے پیش نظراورپختہ علم کے ذریعے کسی پیچیدہ زیر بحث معاملہ میں حتمی فیصلہ دیتا ہواوراس کی نسبت شریعت کی طرف کرتا ہو[۳] فتویٰ کے لغوی مفہوم کے بارے میں علماء کے درج ذیل آرا پیش کیے جاتے ہیں:

لسان العرب میں ابن منظور لکھتے ہیں:

فتی بعض علماء کے نزدیک کرم، سخاوت، مروّت اورزورآوری کے لئے استعمال ہوتا ہے اورفتویٰ کو بھی فتویٰ اسی لئے کہتے ہیں کہ فتویٰ دینے والا مفتی اپنی سخاوت ومروّت اورعالمانہ قوت سے کام لیتے ہوئے کسی دینی مسئلہ کا حل پیش کرتا ہے[۴]۔

درج بالا وضاحت سے یہ مراد لیا جاتا ہے کہ فتاوی فتویٰ کی جمع ہے جس کا مطلب ہے کسی شرعی مسئلے سے متعلق پوچھے گئے سوال سے متعلق شریعت کے مطابق مفتی کا جواب صادر کرنا۔[۵]

مولانا قاضی اطہر مبارک پوری لفظ فتویٰ کے بارے میں لکھتے ہیں:

عربی زبان ولغت کے بہت سے الفاظ اسلامی دور میں اپنے قدیم اوراصلی معنی ومفہوم کے بجائے اسلامی مفہوم ومعنی میں استعمال کیے جانے لگےاوران کی حیثیت اسلامی اصطلاح کی ہوگی،صلوٰۃ صیام، زکوٰۃ، حج وغیرہ اسی قبیل سے ہیں،اسی طرح لفظ فتی اپنے قدیم معنی میں باب سمع سے نوجوانی، کریم النفسی اورنجابت وسخاوت کے معنی میں تھا،مگراسلام میں دینی معلومات حاصل کرنے کرانے کے لئے بولا جانے لگا، استفتاء سوال کرنے اورافتاء جواب دینے کے لئے بطوراصطلاح مستعمل ہوا(۶)۔

فتویٰ کا اصطلاحی مفہوم:

کسی اہم اورمشکل معاملہ میں جب کوئی ایسامسئلہ درپیش ہوجونہایت عمیق اورلاینحل سمجھا جائے اور خواص کی نظرمیں بھی سہل اورآسان نہ ہوہرکس وناکس کےفہم کووہاں تک رسائی حاصل نہ ہوسکتی ہو۔ایسی صورت میں ایک طے شدہ اورحتمی فیصلہ جس پرعمل کیا جاسکے معاشرہ کےحق میں مفیداورمؤثر ثابت ہواس کی اہمیت وضرورت سے کسی کوانکار کی گنجائش نہ ہوزندگی کے اہم مقاصدومطالب اس سے وابستہ ہوں خانہ داری سے لے کرملکی تدبیروسیاست میں بہت بڑاکرداراداکرسکتا ہو،گویاانسانی حیات کامحوراورقطب کی حیثیت رکھتا ہوایسے حکم یافیصلہ کوشرعی اصطلاح میں فتویٰ سے تعبیرکیا جاتا ہے۔ذیل میں چندمشہورعلماء کےنزدیک فتویٰ کا اصطلاحی تعریف پیش کیے جاتے ہیں:

ڈاکٹرشیخ حسین محمدملاح اپنی کتاب الفتویٰ نشأتھاوتطورھا میں لکھتے ہے:

"اَلأخبَارُ بِحُکمِ اللّٰہِ تَعَالیٰ عَنِ الوَاقِعِ بِدَلِیْلٍ شَرعِیٍ لِمَنْ سَأَلَ عَنْہُ"(۷)۔

پیش آمدہ واقعات کے بارے میں دریافت کرنے والے کودلیل شرعی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کےحکم کے بارے میں خبردینے کوفتویٰ کہتے ہیں۔

نواب صدیق احمدخان فتویٰ کا اصطلاحی مفہوم یوں بیان کرتے ہیں کہ:

ھُوَعِلْمٌ تُرْوِیٰ فِیْہِ الْأَحکَامُ الصَّادِرَۃُ عَنِ الْفُقَھَاءِ فِی الوَاقِعَاتِ الْجُزْئِیَّۃِ لِیَسْھَلَ الْأَمْرُعَلَی الْقَاصِرِیْنَ مِنْ بَعْدِ ھِمْ(۸)۔

یعنی علم فتویٰ وہ علم ہےجس میں ان احکام کونقل کیا جاتا ہے جوفقہاء سے واقعات جزئیہ کے بارے میں صادرہوتے ہیں۔

تاکہ بعدمیں آنے والوں کے لئے معاملات آسان ہوجائیں۔

نواب صاحب کی اس تعریف کے مطابق فتویٰ اصول وکلیات اور بنیادی قواعد وضوابط میں بحث وتحقیق کا نام نہیں بلکہ پیش آمدہ جزوی مسئلہ کا حل تلاش کرنے کا نام ہے۔

فتویٰ کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہوا کہ:

علم فتاویٰ وہ علم ہے جس میں جزئی واقعات کی بابت ماہر شریعت فقہاء سے صادر شدہ احکام مروی ہوں تا کہ آنے والے پست ہمت لوگوں کے لئے عمل سہل ہو۔ یا کسی اہم اور مشکل معاملہ میں جب کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جو نہایت عمیق اور بظاہر لاینحل سمجھا جائے حتی کہ خواص کی نظر میں بھی سہل اور آسان نہ ہو، ہر کس و ناکس کے فہم کو وہاں تک رسائی ممکن نہ ہو، ایسی صورت میں ایک طے شدہ اور حتمی فیصلہ جس پر عمل کیا جا سکے، معاشرہ کے حق میں مفید اور مؤثر ثابت ہو، اس کی اہمیت وضرورت سے کسی کو انکار کی گنجائش نہ ہو، زندگی کے اہم مقاصد ومطالب اس سے وابستہ ہوں، یہ مسئلہ خانہ داری، ملکی تدبیر وسیاست میں بہت بڑا کردار ادا کر سکتا ہو، گویا یہ مسئلہ انسانی حیات کے لئے محور اور قطب کی حیثیت رکھتا ہو، ایسی صورت میں کسی عالم، فاضل، قاضی یا مفتی کے حکم یا فیصلے کو شرعی اصطلاح میں فتویٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ذیل میں قرآن کریم میں فتویٰ سے متعلق آیات کریمہ پیش کیا جاتا ہیں:

افتاء از روئے قرآن:

قرآن کریم میں درج ذیل آیات کریمہ میں لفظ افتاء استعمال ہوا ہے:

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ (۹)

ترجمہ: اور تجھ سے رخصت مانگتے ہیں عورتوں کی نکاح کی کہہ دے اللہ تم کو اجازت دیتا ہے ان کی۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ (۱۰)

ترجمہ: حکم پوچھتے ہیں تجھ سے سو کہہ دے اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا۔

درج بالا آیات کریمہ سے مراد یہ ہے کہ عرب کے لوگ عورتوں اور یتیم بچوں کو بعض حقوق سے محروم کر دیتے تھے۔ میراث نہ دیتے اور کہتے میراث اس کا حق ہے جو دشمن سے لڑائی کرے۔ یتیم لڑکیوں سے ان کے اولیاء نکاح کر کے نفقہ، مہر میں کمی اور ان کے مال میں بے جا تصرف کرتے تھے تو اس مقام میں یتیموں کے حق ادا کرنے اور عورتوں کو وراثت دینے کی تاکید ہوئی چونکہ معاملہ نہایت اہم اور معاشرے کی رو سے عام فہم نہ تھا اس لئے بجائے سوال وجواب کے اس کا عنوان استفتاء اور افتاء سے قائم کیا گیا۔ کلالہ اسے کہتے ہیں جس کے

وارثوں میں والداوراولادمیں سے کوئی نہ ہو۔چونکہ اصلی وارث والداوراولادہی ہوتے ہیں جس کے یہ وارث نہ ہوں اس کی جائیداد بہن بھائیوں میں تقسیم ہوتی ہے۔بہن بھائی تین طرح کے ہوتے ہیں، حقیقی، پدری، مادری۔ ان میں تقسیم کامسئلہ مختلف اورقدرے مشکل تھااس لئے اسے بھی استفتاءاورافتاء کے عنوان سے ذکرکیا ہے۔ رسول اللہ ؐ نے موقع بہ موقع افتاء کے لئے یہ دوالفاظ استعمال فرمائے ہیں، اِستَفتِ قَلبَكَ اپنے دل سے فتویٰ معلوم کرو،وَإِنْ أَفْتَاكَ وَ أَفْتُوكَ اگرچہ کوئی شخص اورلوگ تم کوفتویٰ دیں۔سورۃ یوسف کے درج ذیل دوآیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:

قُضِيَ الْاَمْرُالَّذِیْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ[11]۔

ترجمہ: فیصل ہواوہ کام جس کی تحقیق تم چاہتے تھے۔

يٰاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ[12]

ترجمہ: اے درباروالو!تعبیرکہو مجھ سے میرے خواب کی اگرہوتم خواب کی تعبیر دینے والے۔

درج بالا دنوں آیات کریمہ بادشاہ مصر کا کلام ہے جواپنی شوریٰ سے خواب کی تعبیر پوچھتا ہے تعبیرایک خاص فن ہے ہرایک عالم کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں بلکہ یہ وہبی اورعطائی علم ہے۔خداتعالیٰ جسے چاہتے ہیں اس سے سرفرازفرماتے ہیں پھروہ خواب بھی بظاہرناقابل فہم اورغیرمعقول سانظرآتا ہے کہ سات دُبلی گائیں موٹی گایوں کوکھاجاتی ہیں اورسوکھی بالیں ہری بالوں پرلپٹی ہیں اورانہیں خشک کردیتی ہیں۔اس لئے اس خواب کی تعبیرکوافتاء کاعنوان دیاگیاہے اوریہ شرط لگائی کہ اگراس فن میں کچھ مہارت رکھتے ہوتو میرے خواب کی تعبیربتاؤ۔یہ خواب بخلاف اس خواب کے ہے جس کا ذکراس سے پہلے رکوع میں کیاگیا ہے۔جیل خانہ کے دونوجوان قیدیوں نے خواب دیکھاکہ ایک بادشاہ کوشراب پلارہاہے اوردوسرے کے سرپرکئی ٹوکرے ہیں جس میں سے پرندے نوچ نوچ کرکھارہے ہیں۔یہ خواب آسان اورسہل تھا۔کوئی مشکل اس میں نہیں تھی اس لئے اس کی تعبیرمیں لفظ افتاء کے بجائے ’’نبأت‘‘لایاگیاہے خواب کتناآسان کیوں نہ ہولیکن خواب دیکھنے والاتعبیرپوچھے بغیراس کے اثرات سے خائف رہتاہے اورتعبیر بتانے پرہی اطمینان ہوتاہے۔اسی وجہ سے ان دوخوابوں کے بارے میں اسی قصہ میں استفتا کالفظ آیاہے۔قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ۔قضاءوقدرکا فیصلہ یہی ہے جوکسی کے ٹالے ٹل نہیں کرسکتاجوبات تم پوچھتے تھے وہ میں نے بتادی یہ بالکل طے شدہ امرہے جس میں تخلف نہیں ہوسکتا۔اسی طرح سورۃ النمل میں ملکہ بلقیس کے بارے میں ارشادفرماتاہے:

قَالَتْ یٰٓاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْٓ اَمْرِیْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ (۱۳)۔

ترجمہ: کہنی لگی اے درباروالو! مشورہ دو مجھ کو میرے کام میں، میں طے نہیں کرتی کوئی کام تمہارے حاضر ہونے تک یہ ملکہ سبا بلقیس کا کلام ہے جو اپنے درباریوں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مختصر، جامع اور پر عظمت خط کے بارے میں مشورہ طلب کررہی ہیں۔اس سورۃ میں خط کا ذکر کچھ یوں بیان ہوا ہے:

اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ (۱۴)۔

''وہ خط ہے سلیمان کی طرف سے اور وہ یہ ہے شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔کہ زور نہ کرو میرے مقابلہ میں اور چلے آؤ میرے سامنے حکمبر دار ہوکر''۔

یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے بسملہ کے بعد فرمایا کہ تم لوگ میرے مقابلہ میں تکبر نہ کرو اور حکم بردار ہوکر میرے پاس چلے آؤ۔یعنی میرے مقابلہ میں زور آزمانے سے کچھ نہ ہوگا خیریت اسی میں ہے کہ اسلام قبول کرلو اور حکم بردار ہوکر حاضر ہوجاؤ۔تمہاری شیخی اور تکبر میرے آگے نہ چلے گی۔اس پر پوچھ رہی ہے اس خط کا جواب یوں دیا گیا جیسا کی تمہیں معلوم ہے میں کسی اہم معاملہ کا فیصلہ تمہارے مشورہ کے بغیر نہیں کیا کرتی۔چونکہ معاملہ ملکی سیاست سے متعلق تھا اور آئندہ اہم تبدیلیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا تھا اس لئے اس مشورہ کو افتاء کا عنوان دیا گیا قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ (۱۵) الفاظ سے واضح ہے کہ افتاء کا تعلق ایک یقینی اور قطعی حکم سے ہوتا ہے۔یہ حکم ایک شہادت اور طے شدہ بات ہے۔اسی طرح سورۃ الکہف میں اللہ تعالیٰ کا افتاء کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

فَلَا تُمَارِ فِیْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا وَّلَا تَسْتَفْتِ فِیْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا (۱۶)۔

ترجمہ: سومت جھگڑ ان کی بات میں مگر سرسری جھگڑا اور مت تحقیق کر ان کا حال ان میں کسی سے۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے قبل اصحاب کہف کی تعداد میں اختلاف پایا جاتا تھا اور اس بحث میں بہت زیادہ حصہ لیا جاتا تھا اس آیت میں آپ کو یہ کہا گیا کہ زیادہ تحقیق سے کام نہ لو اور ان کے بارے میں ان میں سے کسی سے دریافت نہ کرو۔

اس قسم کی غیر معتد باتوں میں زیادہ جھگڑا کرنا لاحاصل ہے۔عدد کے معلوم ہونے سے کوئی معتد بہ مسئلہ متعلق نہیں۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ استفتاء میں تحقیق وتفتیش کے معنی پائے گئے ہیں۔ لہذا اس کے جواب میں ''افتاء'' میں اس سے بھی زیادہ قوت اور زورِ کلام ہونا چاہیے تاکہ ایک سائل کو اس کا پورا جواب مل جائے اور اس کا اطمینان ہو جائے۔

افتاء از روئے حدیث:

قرآن کے علاوہ احادیث میں بھی افتاء کے مقام اور مرتبہ کو بتایا گیا ہے۔ ذیل میں ان احادیث مبارکہ کا جائزہ لیا جاتا ہے

جس میں افتاء سے متعلق بیان کیا گیا ہے:

عن أبی هريرة قال قال رسولُ اللّٰه مَنْ أُفْتِیَ بِغَیْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ [۱۷]۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول نے فرمایا جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دیتا ہے تو اس کا گناہ اس پر ہوگا جو اس سے فتویٰ دریافت کرتا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس روایت سے مراد یہ ہے کہ اس بے علم شخص کے فتویٰ کا باعث وہی مستفتی ہے۔ جس نے اس کو بے علم جانتے ہوئے بھی اس سے مسئلہ دریافت کیا گویا اسے صحیح جواب مطلوب ہی نہیں ہے۔ ایسا شخص غافل ہے۔

یا نفس پرست۔ تو وہی گنہگار ہوگا اس حدیث کا دوسرا معنی یہ ہے ''اگر مسئلہ دریافت کرنے والا مستفتی بے علم ہے اور اسے غلط فتویٰ بتلایا گیا ہے تو اس کا گناہ فتویٰ دہندہ مفتی پر ہوگا اور یہ آخری معنی زیادہ واضح ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ [۱۹] سے مروی ہے کہ:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعاً يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِماً اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوْسًا جُهَّالاً فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا [۲۰]۔

ترجمہ: یعنی آخری زمانہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے عطا کردہ علم واپس نہ لے گا کہ زبردستی چھین لے لیکن علماء کی موت کی صورت میں علم واپس لے لے گا حتی کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کسی عالم کو باقی نہ رکھے گا یا کوئی عالم دنیا میں باقی نہ رہے گا لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے ان سے مسائل دریافت کیے جائیں گے تو وہ بغیر علم اور فہم کے فتویٰ دیں گے خود بھی گمراہی میں پڑ جائیں گے اوروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

ملا علی قاریؒ نے لفظ رؤوس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"رُؤُساً أَیْ خَلِیْفَةً وَقَاضِیًا وَمُفْتِیًا وَإِمَاماً وَشَیْخاً"(۲۱)۔

اس سے مراد خلیفہ، صدر، قاضی، حاکم، مفتی امام، شیخ، پیر اور مرشد ہیں یعنی لوگ جاہلوں کو صدر مملکت، حاکم مفتی، امام اور پیشوا تسلیم کرلیں گے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ(۲۲) سے ایک لڑکی، ایک پوتی اور ایک بہن کی بابت سوال کیا گیا کہ ان کو کتنا ورثہ ملے گا انہوں نے فتویٰ دیا کہ لڑکی کا نصف، بہن کا نصف حصہ ہے اور کہا کہ ابن مسعودؓ کے پاس جاؤ وہ میری متابعت کریں گے۔عبداللہ بن مسعودؓ سے جب فتویٰ پوچھا گیا اور آپ کو ابوموسیٰ اشعریؓ کے فتویٰ سے آگاہ کیا گیا تو ابن مسعودؓ نے فرمایا اگر میں ان کی متابعت کروں تو میں گمراہ ہوجاؤں گا اور ہدایت پر نہیں ہوں گا، میں اس میں وہی فتویٰ دوں گا جو نبی کریم ﷺ نے دیا تھا۔

لڑکی کا نصف، پوتی کا چھٹا اس سے دو تہائی مکمل ہوجاتے ہیں اور باقی بہن کے لئے۔تو ہم ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس آئے اور ان کو آپؓ کے قول سے مطلع کیا تو انہوں نے کہا جب تک یہ بڑے عالم تم میں رہیں تو مجھ سے سوال نہ کرنا(۲۳)۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے فتویٰ کی تصدیق وتصویب دوسرے اہل علم سے کرالینی چاہیے۔

دو شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جھگڑا لے کر آئے۔ایک نے کہا کہ آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں۔دوسرے نے بھی عرض کی یارسول اللہ! واقعی آپ اللہ کی کتاب سے فیصلہ دیں اور آپ مجھے بات کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔آپ نے فرمایا بات کرو اس نے کہا میرا بیٹا اس شخص کے پاس ملازم تھا، اس کی عورت سے زنا کیا، مجھے لوگوں نے بتایا کہ میرے بیٹے پر رجم کی سزا ہے۔تو میں نے سو بکری اور اپنی لونڈی دے کر اس کا فدیہ ادا کیا۔

اس کے بعد میں نے اہل علم سے دریافت کیا۔انہوں نے بتایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑوں اور جلاوطنی کی سزا ہے، عورت پر رجم ہے۔آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

أَمَّا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَأَ قْضِیَنَّ بَیْنَکُمَا بِکِتَابِ اللّٰهِ أَمَّا غَنَمُكَ وَ جَارِیَتُكَ فَرَدٌّ عَلَیْكَ وَأَمَّا اِبْنُكَ فَعَلَیْهِ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِیْبُ عَامٍ وَأَمَّا أَنْتَ یَا أُنَیْسُ فَاغْدِ إِلٰی إِمْرَأَةِ هٰذِهٖ فَإِنْ اِعْتَرَفَتْ

فَارْجُمْهَا(۲۴)۔

ترجمہ: یعنی تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں تمہارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ ریوڑ اور تیری لونڈی تجھے واپس مل جائیگی اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے مزید جلاوطنی کی سزا ملے گی اور انیس! تو اس شخص کی عورت کے پاس جا کر پوچھو، اگر اعتراف کرے تو اسے سنگسار کردو، اس نے اعتراف کیا اور انیس(۲۵) (انیس اسلم قبیلہ کا ایک فرد تھا) نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک اطمینان خاطر نہ ہو اس وقت تک تجسس اور تفتیش جاری رکھے۔ اس حدیث سے بڑے قاضی، مفتی اور بڑی عدالت کی طرف رجوع کرنے کا جواز بھی ملتا ہے اور یہ کہ آخری اور قطعی فیصلہ جو کتاب اللہ اور سنت رسولؐ پر مبنی ہو وہی قابل عمل اور ناطق ہوگا اور پہلے فیصلوں پر عمل درآمد کالعدم متصور ہوگا۔

افتاء کے فضائل قرآن وحدیث کی روشنی میں:

معاشرہ میں دینی رہنمائی کے لئے افتاء کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ ہر مسلمان فقہی معلومات میں مفتی کا محتاج رہتا ہے اس کی جہد و کاوش اور تحقیق وجواب کے بغیر مسئلہ کا حل آسان نہیں ہے کوئی شخص دعویٰ نہیں کرسکتا ہے کہ ہمیں زندگی میں کسی مرحلہ پر کوئی ایسا سوال سامنے نہیں آیا جس میں فقہ وفتاویٰ کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں پڑی۔ ایک شخص اپنے کو مسلمان کہے، وہ ایک مکمل ضابطۂ حیات کا پابند بھی ہو اور اسے دینی مسائل اور اس کی صحیح صورت سے بے پروائی بھی ہو ممکن نہیں عبادات ومعاملات اور اخلاق واعمال میں سینکڑوں مواقع ایسے آتے ہیں، جہاں اسے رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور وہ ان کٹھن مواقع میں یقینی طور پر فقہ وفتاویٰ اور فقہائے کرام کی رہبری کا محتاج ہوتا ہے(۲۶)۔

افتاء معاشرے کی ایک اہم ضرورت ہے جہاں مسلمان رہتے ہوں ان کو دین کے معاملے میں آگاہی ضرور ہونی چاہیے۔ افتاء کا کام مسائل اور ذہنی الجھن سے نکالنا ہے۔ آسانی پیدا کرنا ہے۔ حرام اور حلال کے درمیان فرق کا واحد ذریعہ افتاء ہے۔ کسی مسئلہ کا آخری اور فیصلہ کن حل فتویٰ ہی نکالتا ہے۔ اس لئے افتاء کے لئے زیادہ علم اور تجربہ کی ضرورت ہے۔ یہاں تک کہ اجتہاد اور مذاہب اربعہ سے جانکاری بھی ضروری ہے۔ فقہ اور دین کے وہ پیش آمدہ مسائل جو دریافت کرنے والوں اور سائلین کے جواب میں بتائے گئے یا اس سادہ انداز پر مرتب ہوئے وہ ''فتاویٰ'' کے قالب میں جلوہ گر ہوئے، اور اس سلسلہ نے انسانی ضرورتوں کا پورا پورا

ساتھ دیا، کتاب وسنت اور فقہ سے مستنبط اس مفید وجدید شکل نے عام مسلمانوں کو تحقیق وجستجو کی ایک صبر آزما مصیبت سے بچالیا، فتاویٰ کا یہ پھیلاؤ انسانی ضرورتوں اور سوالات کے ساتھ بڑھتا گیا انسانی زندگی کی مختلف شعبہ جات سے متعلق مسائل جس جس طرح پیدا ہوتے گئے، کتاب وسنت اور فقہ سے ان مستنبط مسائل کے ذخیرہ میں بھی اضافہ ہوتا گیا، کسی مرحلہ پر جمود پیدا نہیں ہوا، چنانچہ آج انسانی زندگی سے متعلق کوئی ایسا سوال نہیں ہے جس کا جواب مفتی آپ کو فراہم کر کے نہ دے سکے۔ افتاء ایسا فن ہے، جس سے کسی کو بھی مفر نہیں ہے اس لئے کہ انسانی زندگی میں جس قدر واسطہ اس فن اور اس کے اصول وجزئیات سے پڑتا ہے، اور جس قدر آئے دن کے مسائل کا جواب یہاں ملتا ہے کہیں اور سے ممکن نہیں ہے۔ معاملات چاہے دنیوی ہوں یا دینی، عدم واقفیت کی صورت میں اہل علم سے رجوع کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ بغیر صحیح علم کے اللہ اور رسول کی اطاعت نہیں ہوسکتی۔ ناواقفیت ایک مرض ہے جس کا علاج علم ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ حدیث شریف سے اس بارے میں اہم رہنمائی ملتی ہے:

عَنْ اِبْنِ عَباسؓ: أَنَّ رَجُلاً أَصَابَتْهُ جَرَاحَةٌ عَلىٰ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَأَصَابَتْهُ جَنَابَةٌ ، فَاسْتَفْتٰى فَأُفْتِيَ بِالْغُسْلِ،فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ،فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِىَّ عَلَيْهِ السَّلامَ فَقَالَ: " قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ، أَلَمْ يَكُنْ شِفَاءُ العِيِّ السُّوَالُ؟ وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ:قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ أَلَّا سَأَلُوْا إِذْلَمْ يَعْلَمُوْا فَإِنَّمَاشِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ"(۲۷)

عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک شخص زخمی ہوگیا پھر اس کو جنابت کی وجہ سے غسل کی ضرورت پیش آئی اس نے فتویٰ طلب کیا تو اسے فتویٰ دیا گیا کہ وہ غسل کرے پھر اس نے غسل کیا جس کی وجہ سے وہ مرگیا، جب رسول کریم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا لوگوں نے اسے قتل کر دیا اللہ انہیں ہلاک کرے اور پھر فرمایا ان کو جو بات معلوم نہ تھی اسے انہوں نے دریافت کیوں نہ کیا؟ کیونکہ نادانی کی بیماری کا علاج سوال ہے۔

قتل کی نسبت ان کی طرف کی یہ حضرات پانی کے استعمال کی تکلیف میں سبب بنے باوجودیکہ سر میں زخم موجود تھا۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ اللہ ان کو ہلاک کرے، یہ زجر وتحدید ہے مرقاۃ میں میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ:

''اس سے یہ معلوم ہوا کہ مفتی پر فدیہ اور قصاص نہیں ہے ،اگرچہ فتویٰ ناحق دیا تاہم ماضی پر حرف تحضیض داخل کر کے ایسا کرنے والوں کو نادم بتایا اور جو یہ فرمایا إِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ اس لئے کہ جہل کی

بیماری کے لئے شفاء نہیں ہے مگر سیکھنا اور آپ ؐ نے بغیر علم وتحقیق کے فتویٰ دینے کو معیوب قرار دیا اور بدعائی فرمائی کیونکہ انہوں نے نص قرآنی کے تامل میں کوتاہی کی‘‘۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (۲۸)۔

اللہ تعالیٰ نے تم پر تنگی کا ارادہ نہیں کیا ہے۔

افتاء کی اہمیت اور فضیلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی حیات طیبہ کے زمانہ میں فقہ وفتاویٰ سے متعلق جملہ امور آپ کی ذات سے وابستہ تھے۔ قانون سازی ’’فتاوی‘‘ اور فیصلے وغیرہ کے فرائض آپ بنفس نفیس خود انجام دیتے تھے فقہ کی نہ باقاعدہ ترتیب وتدوین ہوئی تھی اور ضروریات زندگی کے محدود ہونے کی بناء پر نہ ہی اس کی ضرورت تھی۔ فتاویٰ کی تاریخ کے لحاظ سے یہ فتاویٰ کا اساسی اور پہلا دور ہے جو کہ ۱۸ رمضان بعثتِ نبویؐ سے گیارہ ہجری تک بائیس سال دو ماہ بائیس دن پر محیط ہے۔ درحقیقت یہی دور فقہ وفتاویٰ کی اصل بنیاد ہے، تمام فقہاء نے متفقہ طور پر اسی کو سند قرار دیا ہے۔ دینی امور میں استفتاء اور سوال کرنے کا مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۲۹)۔

تم لوگ اہل علم سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے ہو۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

جب تم میں سے کوئی دینی امر میں شک کرے تو اس کے بارے میں مجھ سے سوال کرے (۳۰)

البتہ غیر ضروری اور بے جا سوال کرنے سے شدت سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ جنگ وجدال اور تباہی کا باعث ہے۔

اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ علم دنیا میں سب سے قیمتی سرمایہ ہے، خصوصاً علم دین اور علم شریعت کی اہمیت وفضیلت تو قرآن وسنت سے بھی ثابت ہے اور جس کی فضیلت قرآن وسنت سے ثابت ہو، اس کے فضل وکمال میں کیا تردد باقی رہ سکتا ہے، اور اسی کے مقبول ومحمود ہونے میں کیا شک وشبہ ہوسکتا ہے۔ بالخصوص علم فقہ والافتاء ایک شریف معزز علم ہے کہ اس کا کوئی بھی علم شریک نہیں ہوسکتا کیونکہ فقہ قرآن وحدیث نبوی اور آثار صحابہ اور تعامل وتوارث امت کا عطر اور اس کی روح ہے۔ قرآن پاک فصاحت اور بلاغت کے اعلیٰ درجے میں واقع ہے اور کلام بلیغ کا خاصہ ہے کہ باوجود عام فہم ہونے کے اکثر مضامین اس میں ایسے بھی ہوتے

ہیں کہ ان پر ہر کس وناکس رسائی نہیں کرسکتا اس کے علاوہ قرآن کریم میں ناسخ ومنسوخ آیات بھی ہیں جن کو قرائن سے ثابت کرنا مشکل ترین کام ہے دلالۃ النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص سے مسائل کا استنباط کرنا اور پھر احکام میں علل کو ملحوظ خاطر رکھنا نہایت مشکل کام ہے۔یہی حقائق احادیث کے سمجھنے میں بھی پیش آتے ہیں۔تو قرآن پاک اور سنت نبوی کے ان محکم وقوی اور ٹھوس اور مضبوط دلائل وبراہین کی باریکیوں اور حقائق پر مطلع ہونا بغیر فہم وفراست اور عقل وبصیرت کے ناممکن ہے۔اس لئے قرآن وحدیث کے اس بحر بیکراں کے عمق وگہرائیوں میں اترنے کے لئے نکتہ رس اور سخن شناس علماء کی ضرورت ہے جن میں عام فہم وبصیرت اعلیٰ درجے کی موجود ہو۔

علامہ زمخشری اس قسم کے علماء کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ فقیہ اس عالم کو کہتے ہیں جو احکام چن چن کر بیان کرے۔

اور پھر ان حقائق کی کھوج لگائے اور ان میں مخفی اسرار کھول دے (۳۱)

چنانچہ فقہائے امت نے قرآن وسنت کے بحر بیکراں میں غوطہ زنی کرکے تفقہ فی الدین کے انمول موتیوں اور جواہروں سے امت مسلمہ کی جھولیاں بھر کران پر احسان عظیم کیا۔فقہ وفقہاء کی اسی اہمیت کی بنا پر قرآن وسنت نے تفقہ فی الدین کی ترغیب دی اور اس کے ترک کرنے پر تنبیہ اور ملامت کی چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (۳۲)۔

ترجمہ: مومنوں کو یہ بات مناسب نہ تھی، کہ وہ سب ہی کوچ کرجاتے۔سو کیوں نہ کوچ کیا ان میں ہر فرقہ سے ایک طائفہ نے تاکہ وہ دین میں تفقہ پیدا کرے اور اپنی قوم کو ڈرائیں جب ان کی جانب لوٹیں تاکہ وہ بچ جائیں۔

انسان جستجو اور دریافت کا پیکر اور ایک دوسرے کے تعاون کا محتاج ہے۔اس لئے ابتدائے آفرینش سے ہی اس کی جستجو کا سفر جاری ہے اور اس کے ساتھ متوازی طور پر باہمی مفاہمت کا عمل بھی، تحقیق وجستجو اور مفاہمت کے اسی سلسلے کو فقہ یعنی فہم، افتاء یعنی باہمی دریافت کی معزز اصطلاحات سے موسوم کرتے ہیں اس طور سے یہ دونوں چیزیں ابتدائے تخلیق سے چلی آرہی ہیں۔قرآن حکیم، احادیث طیبہ میں بھی اس کی واضح

ہدایات اور فضیلتیں وارد ہیں۔ قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ میں افتاء کی اہمیت وضرورت کو بڑے حکیمانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ فَسۡــَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ (۳۳)

اور آپ ﷺ سے پہلے بھی تو ہم نے آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا یہی تھا کہ ان کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ لو۔

اس آیت کریمہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ دنیا میں جتنے بھی حضرات انبیاء تشریف لائے وہ سب کے سب انسان تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس سے مفتی اور مستفتی کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے، سارے انبیاء ومرسلین، دعاۃ ومبلغین اپنی امتوں اور ماتحتوں کو اسلامی احکام بتاتے چلے آئے اور ساری امتیں اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں سے شرعی احکام دریافت کرتی رہیں، اس لئے عمومی تناظر میں سبھی رہنما فقیہ اور مفتی اور سارے متبعین مستفتی نظر آتے ہیں۔ اس لئے اگر کسی شخص کو کوئی بات معلوم نہ ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اہل علم سے دریافت کرے۔ فَاسْئَلُوْا میں استفتاء کے لئے امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو اصولیین فقہ کے نزدیک عموماً وجوب کے لئے آتا ہے (۳۴)۔

جب سوال کرنا ضروری ہوا تو اس کا جواب جس کو اصطلاح فقہ میں افتاء یا فتویٰ بولا جاتا ہے بھی ضروری اور واجب قرار پایا جس چیز کے لئے نصوص ثابت ہوں اس چیز کی اہمیت خود بخود عندالشرع ثابت ہو جاتی ہے۔ مفتی اور مستفتی کے ہاں افتاء کا جو مقام اور اہمیت ہے شاید تیسرے آدمی کو معلوم نہ ہو آغاز اسلام سے حال تک افتاء کا نہ رکنے والا سلسلہ اس پر واضح دلیل ہے کہ فریضہ افتاء غیر محتسب مسائل کا حسب ضرورت حل ہے۔ قران کریم میں لوگوں کے فتویٰ پوچھنے کے جواب میں افتاء کا لفظ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے استعمال فرمایا جیسا کہ پہلے تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن قیمؒ نے اس سلسلہ میں اپنی مایہ ناز اور بلند پایہ کتاب کا نام "اعلام الموقعین عن رب العالمین" رکھا ہے۔ یعنی مفتی حضرات سے جب دینی مسائل دریافت کیے جاتے ہیں تو ان کا جواب دیتے وقت گویا وہ اللہ تعالیٰ سے دستخط کرتے ہیں، علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ "جب ملوک وسلاطین کی طرف سے دستخط کرنے کا منصب اس قدر بلند ہے کہ اس کی قدرومنزلت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور دنیا میں اسے عالی مرتب شمار کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دستخط کرنے کی عظمت وشان

تو اس سے کہیں زیادہ بلند و برتر ہے"(۳۵)

اگر اس مناسبت سے دیکھا جائے تو رسول کریم ﷺ زندگی بھر اس عالی شان منصب پر فائز رہے کیونکہ نبوت کا اصل محور یہی ہے۔

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ یَتَفَكَّرُوۡنَ(۳۶)

ہم نے آپ کی طرف ذکر شریعت کو نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ان کی طرف نازل شدہ شریعت کی تشریح فرمائیں تاکہ وہ غور وفکر کریں۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

"یقیناً فتویٰ دینا انتہائی حساس، قابل قدر اور بڑی فضیلت والا کام ہے کیونکہ مفتی، حضرات انبیائے کرامؑ کا وارث ہوتا ہے اور فرض کفایہ کو ادا کرتا ہے گو وہ ان کی طرح معصوم عن الخطا نہیں ہوتا بلکہ اس سے سہو وخطا کا صدور ممکن ہوتا ہے غالباً اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ مفتی اللہ رب العالمین کی طرف سے دستخط کرنے والا ہوتا ہے"(۳۷)۔

چونکہ فتویٰ کا موضوع اللہ تعالیٰ کے احکام بیان کرنا ہے تاکہ لوگ ان کے مطابق عمل کرسکیں، اسی لئے مفتی کو اللہ تعالیٰ کا ترجمان قرار دیا جاتا ہے۔ ذیل میں فقہ کی قرآن وسنت اور اقوال فقہاء کی روشنی میں فضیلت پیش کیا جارہا ہے:

فقہ سراپا خیر:

تفقہ فی الدین اللہ تعالیٰ کا بے نظیر انعام ہے، جس کو یہ دولت مل جائے وہ یقیناً خیر کثیر سے بہرور ہوجائیگا اللہ کا ارشاد ہے:

یُّؤۡتِی الۡحِكۡمَةَ مَنۡ یَّشَآءُ وَمَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِكۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا كَثِیۡرًا(۳۸)۔

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سمجھ عنایت فرماتا ہے اور جس کو سمجھ ملی اس کو بڑی خوبی ملی۔

مشہور مفسر مجاہد اور ضحاک وغیرہ نے حکمت سے تفقہ مراد لیا ہے، اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: مَنۡ یُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیۡرًا یُفَقِّهۡهُ فِی الدِّیۡنِ (۳۹) جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطاء فرمادیتے ہیں۔ ایک اور روایت میں رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تَجِدُوْنَ النَّاسَ مَعَادِنُ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوْا[۴۰]

تم لوگوں کو کانوں یعنی معدنیات کے ذخائر کی طرح پاؤ گے ان میں جو لوگ زمانہ جاہلیت میں باوقار سمجھے جاتے تھے وہ اسلام لانے کے بعد بھی افضل اور باوقار رہیں گے بشرطیکہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اسلام میں معیار شرافت ''دین کی سمجھ'' ہے، ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس معیار کو حتی الوسع حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم (سے سوال کیا کہ دو شخص ہیں ایک تو وہ ہے جو مسلسل اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتا ہے، اور دوسرا شخص وہ ہے جو فرائض کے علاوہ نوافل وغیرہ کا اہتمام نہیں کرتا لیکن وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیتا ہے ان دونوں میں افضل کون ہے؟ تو رسول کریم (نے ارشاد فرمایا کہ ''اس عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ درجہ کے شخص پر ہے''[۴۱] رسول کریم (کا یہ بھی ارشاد ہے کہ: سب سے افضل عبادت فقہ ہے اور سب سے افضل دین پرہیزگاری اور ورع وتقویٰ ہے[۴۲] ایک اور حدیث میں آپ (کا یہ ارشاد مروی ہے کہ: سب سے افضل علم وہ ہے جس کے لوگ محتاج ہوں[۴۳]۔

فقہ وافتاء میں اشتغال افضل ترین عبادت:

دینی مسائل کا سیکھنا سکھانا، اور نت نئے مسائل کے احکامات معلوم کرنا اور امت کی رہنمائی کرنا افضل ترین عبادت ہے، اس لئے کہ اس عمل کا نفع ساری امت تک متعدی ہوتی ہے اور رہتی دنیا تک باقی رہنے والا ہے۔ نبی کریم (کا ارشاد ہے: تفقہ فی الدین سے بڑھ کر کسی عمل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کی جاسکتی۔ کیوں کہ مقبول عبادت کے لئے علم صحیح ضروری ہے جس کا ذریعہ تفقہ ہی ہے:

مَا عُبِدَ اللّٰهُ بِشَيْءٍ أَفْضَلَ مِنْ فِقْهٍ فِي الدِّيْنِ وَلَفَقِيْهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ وَلِكُلِّ شَيْءٍ عِمَادٌ وَعِمَادُ الدِّيْنِ الْفِقْهُ[۴۴]

اور ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے بڑھ کر ہے، اور ہر چیز کا ایک ستون ہوتا ہے اور دین کا ستون تفقہ فی الدین ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ فقہی مجلس میں شرکت کا ثواب ساٹھ سال کی عبادت سے بڑھ کر ہے[۴۵]

تفقہ فی الدین سے رسوخ کا حصول:

جس شخص کو فقاہت کی دولت نصیب ہو جاتی ہے اس کا سینہ دینی مسائل واحکام کے لئے پوری طرح منشرح ہو جاتا ہے، پھر نہ تو وہ حالات سے مرغوب ہوتا ہے اور نہ کوئی لالچ یا دھمکی اسے راہ حق پر مجبور کرتی ہے بلکہ وہ ذہنی طور پر یکسوئی کے ساتھ دین پر عمل کرتا ہے اور اس کے برخلاف جو شخص صرف عابد ہو اور ضروری علم سے محروم ہو تو اس کے لئے حق پر ثابت قدم رہنا بہت مشکل ہوتا ہے وہ بہت جلد حالات اور فتوحات سے متاثر ہو جاتا ہے حتیٰ کہ بسا اوقات گمراہی میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے۔ نبی کریم (نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے:

وَلَوْأَنَّ هٰذِهٖ وَقَعَتْ عَلَى هٰذِهٖ يَعْنِي السَّمَاءُ عَلَى الْأَرْضِ وَزَالَ كُلُّ شَيْءٍ عَنْ مَكَانِهٖ مَاتَرَكَ الْعَالِمُ عِلْمَهُ وَلَوْفُتِحَتِ الدُّنْيَا عَلَى الْعَابِدِ لَتَرَكَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ تَعَالٰى[۴۶]۔

ترجمہ: اگر یہ آسمان اس زمین پر گر پڑے اور ہر چیز اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو پھر بھی عالم اپنے علم کو نہ چھوڑے گا اور اگر نرے عابد دنیا کے دہانے کھول دیئے جائیں تو وہ اپنے پروردگار کی عبادت چھوڑ بیٹھے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ عالم اور فقیہ اپنے موقف میں ثابت قدم ہو اور راہ حق سے سر مو بھی انحراف نہ کرے۔

فقہاء روحانی معالج:

عبید اللہ بن عمر نقل کرتے ہیں کہ: ''ایک شخص حضرت سلیمان اعمشؒ کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آیا اتفاق سے وہاں حضرت امام ابوحنیفہ بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت اعمشؒ نے امام صاحبؒ سے فرمایا کہ آپ کی اس مسئلہ کے بارے میں کیا رائے ہے؟ امام صاحبؒ نے اپنی رائے بتادی، اس پر اعمشؒ نے پوچھا کہ یہ جواب آپ نے کہاں سے دیا؟ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اس روایت سے جو آپ نے ہم سے بیان کر رکھی ہے یہ سن کر اعمشؒ بول اٹھے نحن صيادلة و أنتم أطباء[۴۷] ہم تو محض دوا فروش ہیں اور تم لوگ فقہاء طبیب ہو۔

تفقہ باعث عزت:

دین میں تفقہ اور حلت وحرمت کا علم انسان کو عزت بخشتا ہے، اور اس سے انسان کو جو عزت ملتی ہے وہ کسی اور چیز سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ حضرت ابو العالیہؒ[۴۸] فرماتے ہیں کہ میں استاذ محترم جناب عبداللہ بن

عباسؓ(۴۹) کی خدمت میں حاضر ہوتا آپ تشریف فرمارہے ہوتے اور آپ کے اردگرد خاندان قریش کے لوگ موجود ہوتے آپ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے تخت پر اپنے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، آپ کی اس عزت افزائی کو دیکھ کر قریش کے لوگ ناگواری محسوس کرتے، چنانچہ عبداللہ بن عباس کو بھی اس کا احساس ہوگیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''اسی طرح یہ علم شریف آدمی کی شرافت میں اضافہ کرتا ہے اور غلام شخص کو تخت نشین بنادیتا ہے''(۵۰)۔

حضرت عطاء ابن رباحؒ مکہ مکرمہ میں ایک عورت کے غلام تھے آپ کے چہرے کی رنگت سیاہ تھی اور آپ کی ناک باقلا کی پھلی کے مانند تھی، یعنی بدصورت تھے، مگر علمی وفقہی مقام یہ تھا کہ ایک مرتبہ اموی بادشاہ سلیمان بن عبدالملک اپنے دو بیٹوں کے ساتھ آپ سے ملنے آئے آپ نماز پڑھنے میں مشغول تھے، اس لئے وہ لوگ انتظار میں بیٹھ گئے، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ان کی طرف متوجہ ہوئے، بادشاہ ان سے حج کے مسائل پوچھتے رہے اور آپ بے رخی سے جواب دیتے رہے، پھر سلیمان نے اپنے بیٹوں سے کہا یہاں سے چلو اور دیکھو علم دین سیکھنے میں آنا کانی مت کرنا اس لئے آج اس کالے غلام کے سامنے بیٹھنے سے جو میری ذلت ہوئی ہے اسے میں کبھی نہ بھول پاؤں گا(۵۱)۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علم فقہ کا تعلق خوبصورتی یا عالی نسبی سے نہیں بلکہ جو شخص بھی علم دین میں کمال اور فقہ میں مہارت پیدا کرلے گا وہ لوگوں کی نظر میں باعزت ہوجائے گا، تاریخ کے ہر دور میں اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ اس لئے ہر عالم دین کو تخصص فی الفقہ الاسلامی میں ہرممکن کوشش کرنی چاہیے۔ امیرالمؤمنین حضرت معاویہؓ نے ایک مرتبہ مکہ کی وادی ابطح میں اپنی مجلس جمائی اور حجاج کی جماعتیں آپ کے سامنے سے گزرنے لگیں آپ کے ساتھ آپ کے بیٹے قرظہ بھی تھے ایک قافلہ گزرا اس میں ایک نوجوان شخص شعر گنگنا رہا تھا، معاویہؓ نے پوچھا یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ عبداللہ بن جعفر ہیں، آپ نے فرمایا انہیں جانے دو، پھر دوسرا قافلہ گزرا اس میں بھی ایک نوجوان اشعار پڑھ رہا تھا، معلوم کیا کہ یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ عمر بن ابی ربیعہ ہیں، آپ نے ان کو بھی جانے کا حکم دیا، اس کے بعد ایک بڑی جماعت گزری جس میں ایک صاحب تھے جن سے لوگ حج کے مسائل پوچھ رہے تھے، کوئی کہہ رہا تھا کہ میں نے سرمنڈانے سے پہلے رمی کرلی؟ اور کوئی پوچھ رہا تھا کہ میں نے رمی سے پہلے سرمنڈالیا؟ وہ سب کو جواب دے رہے تھے۔ حضرت

معاویہؓ نے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ جواب ملا کہ یہ عبداللہ بن عمر ہیں۔ یہ سن کر معاویہؓ اپنے بیٹے کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ:

''واللہ دنیا اور آخرت کی عزت وشرافت تو یہی ہے کہ انسان کو دین میں فقاہت حاصل ہوجائے''(۵۲)۔

اس لئے اس شرافت کو حاصل کرنے کے لئے جتنی بھی تگ ودو اور جدوجہد کی جائے وہ کم ہے شاعر نے کیا خوب کہا!

إِذَا مَا اعْتَزَّ ذُوعِلْمٍ بِعِلْمٍ		فَعِلْمُ الْفِقْهِ اَوْلٰی بِاعْتِزَازٖ
فَكَمْ طِيبٍ يَفوحُ وَلاكَمِسْكٍ		وَكَمْ طَيْرٍيَطِيْرُوَلاكَبَازِی

اگر کوئی علم والا کسی علم سے عزت حاصل کرے تو علم فقہ عزت دلانے میں سب سے زیادہ کارگر ہے، اس لئے کتنی ہی خوشبوئیں پھیلتی ہیں لیکن مشک کی طرح نہیں ہوتیں، اور کتنی ہی پرندے اڑتے ہی مگر شکرہ کی طرح نہیں اڑتے۔

وخَيْرُعُلُومٍ عِلْمُ الْفِقْهِ لأنَّه		يَكُوْنُ إلٰى كُلِّ الْعُلُوْمِ تَوَسُّلاً
فإنَّ فَقِيْهًاوَاحِدًامُتَوَرِّعا		عَلَى أَلْفِ ذِی زُهْدٍ تَفَضَّلَ واعْتَلٰی (۵۳)

علوم میں سب سے بہتر علم فقہ ہے کیونکہ وہ تمام علوم تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ فقیہ کے لئے لغت و اشتقاق سے لے کر تفسیر وحدیث اور دیگر علوم کا جاننا ضروری اور لازم ہے۔ اس لئے کہ ورع وتقویٰ سے متصف ایک فقیہ ایک ہزار نرے زاہدوں سے بڑھ کر فضیلت رکھتا ہے۔ امام محمدؒ نے فقہاء اور علم فقہ کے بارے میں یہ اشعار پڑھے:

تَفَقَّهْ فَإنَّ الْفِقْهَ أَفْضَلُ قَائِدٍ		إلَى الْبِرِّوَالتَّقْوىٰ وَاَعدَلُ قَاصِدٍ
وَكُنْ مُسْتَفِيْداًكُلَّ يومٍ زِيَادَةً		مِنَ الْفِقْهِ واسْبَحْ فی بُحُورِالفَوائِدِ
فَإِنَّ فَقِيُهاً وَاحِداً مُتَوَرِّعاً		أَشَدُّعَلَى الشَّيُطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ (۵۴)

تفقہ حاصل کرو کیونکہ فقہ نیکی اور تقویٰ کی طرف لے جانے والا بہترین رہنما اور آسان راستہ ہے۔
اور ہر روز فقہ سے استفادہ میں زیادتی کر کے علمی فوائد ولطائف کے سمندروں میں غوطہ زنی کیا کرو۔
اس لئے کہ ایک صاحب ورع وتقویٰ فقیہ شیطان پر ایک ہزار نرے عبادت گزاروں پر بھاری ہے۔

ان اشعار میں جو باتیں بیان کی گئی وہ حقیقت پرمبنی ہیں اس لئے کہ تمام علوم اسلامیہ کا مرکز علم فقہ ہے باقی تمام علوم تفقہ حاصل کرنے کے ذرائع کی حیثیت رکھتے ہیں۔لغت نحو اور اشتقاق سے لے کر حدیث وتفسیر کا علم اسی لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ حلال وحرام کے بارے میں امتیاز ہو جائے اور دینی اعتبار سے کونسا عمل صحیح اور کونسا غلط ہے؟ اور یہ تمام تر معلومات فقہ ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔باقی کسی بھی علم کے لئے فقہ میں مہارت ضروری نہیں ہے لیکن کامل فقیہ اور مفتی بننے کے لئے عصر حاضر میں دیگر عصری علوم میں بھی مہارت لازم ہے۔کیونکہ جدید دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے جس میں ایسے نئے نئے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں جس کا حل عصر حاضر کے علوم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔جیسا کہ جدید دور میں تجارتی کاروبار، سٹاک ایکسچینج اور عالمگیریت کے مسائل۔یہ وہ مسائل جس کے تہہ تک پہنچنے کے لئے ایک کامل مفتی بنے کے لئے تخصص در تخصص کی ضرورت ہوتی ہے۔

حواشی وتعلیقات

۱۔ ابوالقاسم، المعروف بالراغب الأصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، دارالقلم بیروت ۱۴۱۲ھ، ص ۴۵۔

۲۔ الجلالی، سید عبدالدائم، لغات القرآن، دارالقلم بیروت، ۱۹۹۹ء، ج ۵، ص ۳۸

۳۔ المقری، أحمد بن محمد علی الفیومی، المصباح المنیر، من منشورات دارالھجرۃ قم ایران، ج۱، ص ۱۲۱

۴۔ الافریقی، ابن منظور، لسان العرب، دار بیروت للطباعۃ والنشر، ۱۹۷۵ء، ج ۱۵، ص ۱۴۵

۵۔ ایضاً

۶۔ بحوالہ مجلّہ معارف، تدوین فتاویٰ عہد بہ عہد، جلد ۱۵۶، دسمبر ۱۹۹۵ء، ص ۴۰۵

۷۔ ڈاکٹر شیخ حسین محمد ملاح، الفتویٰ نشأتھا وتطورھا، ج۱، ص ۳۹۸

۸۔ نواب صدیق حسن خان أبجد العلوم، طبع بھوپال، ۱۲۹۶ھ، ج ۲، ص ۳۲۷

۹۔ سورۃ النسآء: ۱۲۷

۱۰۔ ایضاً: ۱۷۶

۱۱۔ سورۃ یوسف: ۴۱

۱۲۔ ایضاً: ۴۳

۱۳۔ ایضاً: ۳۲

۱۴۔ ایضاً: ۳۰

۱۵۔ ایضاً: ۳۲

۱۶۔ سورۃ الکھف: ۲۲

۱۷۔ اَبوداوٗدسلیمان بن اشعث سجستانی سنن ابی داوٗد، ج ا، ضیاء احسان پبلیشر ز نعمانی کتب خانہ لاہور ۱۹۹۷ء، ص ۵۱۵

۱۸۔ محدث دہلوی، عبدالحق، اَشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ، ج ا ص ۱۸۰

۱۹۔ عبداللہ نام والد کا نام عمرو بن العاص، کل مرویات کی تعداد سات سو ہیں۔ ۶۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کو اپنے گھر میں سپرد خاک کر دیا (الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۷۴ھ، ج ا ص ۴۲)

۲۰۔ اَبوداوٗدسلیمان بن اشعث (سجستانی) سنن ابی داوٗد، ج ا ص ۵۱۵، کتاب العلم۔

۲۱۔ ملاعلی قاری، علی بن سلطان محمد ہروی، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ ج ا ص ۲۷۳۔

۲۲۔ اشعری، ابوموسیٰ: آپ کا نام عبداللہ بن قیس تھا۔ یمن کے رہنے والے تھے۔ قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نسبت سے اشعری مشہور ہوئے۔ ۴۴ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ (الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج ا ص ۲۴)

۲۳۔ البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل، صحیح البخاری، ج ا ص ۹۹۷

۲۴۔ امام مسلم بن حجاج (النیسابوری) صحیح مسلم، قدیمی کتب خانہ، مقابل آرام باغ کراچی، ۱۹۵۷ء، ج ۲ ص ۶۹

۲۵۔ نام انیسؓ بن ضحاک اسلمی ہیں۔ یہ وہی صحابی ہے جن کو نبی کریمؐ نے قبیلہ اسلم کی عورت کے پاس بھیجا تھا کہ اگر وہ زنا کا اقرار کرلے تو اس کو سنگسار کردیں۔ (اسدالغابہ فی معرفۃ الصحابہ، عزالدین بن لاثیر ابی الحسن علی بن محمد الجزری، اردو ترجمہ: مولانا محمد عبدالشکور فاروقی لکھنوی، ج ا ص ۲۱۵)

۲۶۔ انٹرویو، بروز اتوار، ۷ دسمبر ۲۰۰۸ء، مفتی محمد انور شاہ، مدرسۃ الباقیات الصالحات للبنات، ضلع لکی مروت۔

۲۷۔ الدار قطنی، حافظ علی بن عمر، سنن الدار قطنی، ج ا، مطبع انصاری دہلی، ۱۹۷۳ء، ص ۱۹۸

۲۸۔ سورۃ الحج: ۷۸

۲۹۔ سورۃ الأنبیاء: ۷

۳۰۔ النیسابوری، امام مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، ج ۲ ص ۱۷۸

۳۱۔ کتاب الفائق فی غریب الحدیث، علامہ جار اللہ زمخشری، ج ا، دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۴ھ، ص ۱۴۴

۳۲۔ سورۃ التوبۃ:۱۲۱

۳۳۔ سورۃ النحل:۴۳

۳۴۔ نورالأنوار، المکتبۃ الحقانیہ محلہ جنگی پشاور، ۱۹۹۵ء، ص ۲۷

۳۵۔ الجوزی، علامہ ابن القیم، أعلام الموقعین عن رب العالمین، ج۱، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرّمۃ، ۱۹۹۶ء، ص۱۰

۳۶۔ سورۃ النحل:۴۴

۳۷۔ ابوزکریا النووی، شرف الدین، المجموع، المکتبۃ السلفیۃ، المدینۃ المنورۃ، ۱۳۴۴ھ، ج۱، ص۲۷

۳۸۔ سورۃ البقرہ:۲۶۹

۳۹۔ أبوعبداللہ، محمد بن اسمٰعیل، البخاری، الجامع الصحیح البخاری، ج۱، ص ۱۶

۴۰۔ امام مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، باب معرفۃ الرکعتین۔۔۔ ج۴، ص۲۰۳

۴۱۔ ہندی، علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، الباب الأول فی الترغیب، ج۱۰، ص ۱۴۵

۴۲۔ ایضاً: ص ۱۴۶

۴۳۔ ایضاً

۴۴۔ محمد بن عبدالرحمٰن الأزرقی، اخبار مکۃ، المطبعۃ الماجدیۃ مکۃ المکرّمۃ، ۱۳۵۲ھ، ج۱، ص ۶۰

۴۵۔ خطیب ابوبکر احمد بن علی بن ثابت، الفقیہ والمتفقہ، ج، ص۲

۴۶۔ ایضاً: ص ۲۴

۴۷۔ ایضاً: ص ۳۶

۴۸۔ ابوالعالیہ الریاحی: آپ کا نام رفیع بن مہران ہے اور کنیت ابوالعالیہ ہے اور اسی سے مشہور ہیں۔ بنوتمیم کے قبیلہ بنوریاح کی ایک عورت کے غلام تھے اس نسبت سے ریاحی کہلاتے ہیں۔ آپ نے جاہلیت اور اسلام دنوں کا زمانہ پایا۔ لیکن عہد نبوی میں شرف اسلام سے محروم رہے، رسول کریم کی وفات کے دو برس بعد آپ نے اسلام قبول کیا۔ آپ نے ۹۳ھ میں وفات پائی۔ (الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۵۳)

۴۹۔ آپ ہجرت سے تین سال قبل شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے۔ مفسر قرآن تھے۔ عبداللہ بن عباس جلیل القدر صحابی اور نبی کریمؐ کے چچازاد بھائی تھے، ام المؤمنین حضرت میمونہ آپ کی سگی خالہ تھی۔ آپ ہجرت سے تین سال قبل مکہ میں پیدا ہوئے

جبکہ قرآن کریم کی تفسیر میں مہارت وبصیرت کی وجہ سے انہیں ''الحبر فی التفسیر'' کا خطاب دیا گیا۔

آپ فقہ، تفسیر اور سیرت کے موضوعات پر باقاعدہ درس دیا کرتے تھے۔ آخری عمر میں بصارت سے محروم ہو گئے تھے۔

۶۸ھ کو بمقام طائف وفات پائے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج۱۲ص ۷۹۹) آپ نے ۶۸ھ میں وفات پائی، محمد ابن حنفیہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۴۱)

۵۰۔ ایضاً: ص۴۰ ۵۱۔ ایضاً ۵۲۔ ایضاً: ص۴۱

۵۳۔ محمد بن علی، الدر المختار مع الشامی، مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ ۱۳۹۹ھ، ج۱ص۱۲۳

۵۴۔ منصور پوری، بحوالہ، مفتی محمد سلمان، ضرورت فقہ وفتاویٰ، سہ ماہی مجلّہ، المباحث لاسلامیہ ص۳۳، جلد ۶ شمارہ ۱،۲ جون تا دسمبر ۲۰۰۸ء جامع المرکز الاسلامی، بنوں۔